© rasailojaraid.com

اسلام کا قانونِ سرقہ

جناب خلیل الحامدی

ذیل کا مضمون اسلام کے قانونِ سرقہ سے متعلق ایک ابتدائی مطالعہ ہے۔ اس مضمون میں ہم نے کوشش کی ہے کہ فقہائے اسلام نے چوری کی سزا کے بارے میں کتاب و سنت کی روشنی میں جو قانونی ڈھانچہ وضع کیا ہے اُسے اجمالی طور پر قارئین کے سامنے رکھا جائے۔ چنانچہ یہ مضمون درج ذیل مباحث پر مبنی ہے۔

سارق (چور) کسے کہتے ہیں

چوری کی قانونی شرائط:

الف: پہلی شرط : چوری "خفیہ طریقے" سے کی گئی ہو۔

ب : دوسری شرط : "حفاظتی انتظامات" میں سے کی گئی ہو۔

ج : تیسری شرط : مسروقہ مال پر چور کا مکمل قبضہ ہو گیا ہو۔

د : چوتھی شرط : مسروقہ چیز "مال متقوّم" ہوتی ہو۔

مال سے متعلق شرائط:

۱ - مال منقولہ ہو

۲ - وہ قابل قیمت اور قابل احترام ہو۔

۳ - مقررہ نصاب سے کم نہ ہو۔

ھ : پانچویں شرط : مسروقہ مال "ملکیتِ غیر" ہو۔

و : چھٹی شرط : چوری "ارادۂ جرم" سے کی گئی ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ثبوتِ سرقہ کے ذرائع :

۱ - اقرارِ جرم

۲ - شہادتیں

قطعِ ید کی کیفیت

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں چوری کی سزا قطعِ ید مقرر فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ (اور چور، خواہ مرد ہو یا عورت، دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔ یہ ان کی کمائی کا بدلہ ہے۔ اور اللہ کی طرف سے عبرتناک سزا)۔ احادیث سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چور کو قطعِ ید کی سزا دی ہے۔ اور اپنی مختلف تعلیمات کے ذریعے چوری کی سزا سے متعلق ضابطے بیان فرما دیے ہیں۔ فقہائے اسلام نے قرآن مجید کے احکام اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور خلفائے راشدین کے عمل کی روشنی میں چوری سے متعلق قوانین کو پوری صراحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ ذیل میں ہم ان قوانین کو ترتیب کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

فقہاء نے چوری کی تعریف یہ کی ہے کہ "اگر کوئی عاقل و بالغ انسان خفیہ طریقے سے مقررہ نصاب یا اس سے زائد مالیت کا سامان اپنے قبضے میں کر لے۔ یہ سامان جلدی خراب ہونے والا نہ ہو، نیز دوسرے کی ملکیت میں اور زیرِ حفاظت ہو"۔[1] اس تعریف کی رو سے سرقہ کی واردات کو فقہاء نے کئی حصوں میں تقسیم کر کے، اس کی قانونی حیثیت واضح کی ہے۔

"سارق" کسے کہتے ہیں سب سے پہلے یہ بتایا گیا ہے کہ وہ شرائط کیا ہیں جن کی رو سے چوری کے الزام میں گرفتار ہونے والے شخص کو قانونی لحاظ سے سارق (چور) قرار دیا جائے گا۔ وہ شرائط یہ ہیں۔

الف: سارق عاقل، بالغ اور مختار ہو۔ تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ نابالغ لڑکے، مجنون اور مجبور پر حد جاری نہیں ہوگی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ رفع القلم عن ثلاثة: عن الصبي حتى يبلغ، وعن النائم حتى يستيقظ، وعن المجنون حتى يفيق۔ (تین قسم کے افراد مرفوع القلم (حکم سے مستثنیٰ) ہیں۔ بچہ جب تک بالغ نہ ہو جائے۔ سونے والا جب تک بیدار نہ ہو جائے اور مجنون

---

[1] فتح القدیر ج ۲ ص ۲۱۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جب تک باشعور نہ ہو جائے)۔ اسی طرح آپ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ "رفع عن امتی الخطاء والنسیان وما استکرھوا علیہ (میری امت کے لوگوں کی وہ لغزش معاف کر دی گئی ہے جو خطا اور نسیان کی بنا پر ہو یا جس پر انہیں مجبور کیا گیا ہو)۔ سن بلوغ کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام مالک اور ایک روایت میں امام ابو حنیفہ کی طرف سے ۱۸ ہجری سال بلوغت کی عمر مقرر کی گئی ہے۔

ب: سارق نے چوری کی واردات اضطراری حالت میں نہ کی ہو۔ یعنی اگر اُس نے ہلاک ہو جانے کے خوف سے کھانے پینے یا پہننے وغیرہ کی کوئی چیز چوری کر لی ہو تو ایسی حالت میں اس پر حد جاری نہ ہو گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا اثم علیہ (جو شخص مجبوری کی حالت میں کوئی حرام چیز کھا لے بغیر اس کے کہ وہ قانون شکنی کا ارادہ رکھتا ہو یا ضرورت کی حد سے تجاوز کر جائے تو اُس پر کچھ گناہ نہیں ہے)۔ اضطراری حالت میں انسان کس حد تک اپنی حاجت پوری کر سکتا ہے، اس کی وضاحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دی ہے۔ صحابہؓ نے آنحضورؐ سے دریافت کیا تھا کہ اگر ہم کسی چیز کے کھانے یا پینے کے لیے مجبور ہو جائیں تو کس حد تک ہمیں اجازت ہو گی۔ آپؐ نے فرمایا: "کھا لو اور ساتھ نہ لے جاؤ، پی لو اور ساتھ نہ لے جاؤ"۔ ابن المنذر نے بیان کیا ہے کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کے مال میں سے بحالت اضطرار کس حد تک لے سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: "وہ کھا لے مگر ساتھ نہ لے جائے۔ پی لے مگر ساتھ نہ لے جائے"۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے قحط کے زمانے میں چوری کی سزا معطل کر دی تھی۔

چوری کی قانونی شرائط

جس طرح چور کی ذات سے متعلق اوپر کچھ شرائط بیان کی گئی ہیں، اسی طرح چوری کے فعل کے بارے میں بھی چند شرائط مقرر کی گئی ہیں۔ ان شرائط کے بغیر چوری کی واردات پر وہ حکم لاگو نہیں ہو گا جس کی سزا قطع ید ہے۔ ان شرائط کو ہم علی الترتیب ذیل میں بیان کرتے ہیں۔ ہم نے یہ کوشش کی ہے کہ ان مسائل کے بارے میں مختلف فقہاء کے مسلک بیان کر دیے جائیں۔ تاکہ موجودہ حالات کے اندر اُس مسلک کو منتخب کیا جا سکے جو موزوں تر اور مفید تر نظر آئے۔

چوری خفیہ طریقے سے کی گئی ہو

پہلی شرط یہ ہے کہ جو چیز یا مال چوری کیا گیا ہو "خفیہ طریقے" سے چوری کیا گیا ہو۔ "خفیہ طریقے" سے چوری کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کو اُس کے مالک کے علم اور رضامندی کے بغیر حاصل کر لیا جائے۔ مثلاً ایک شخص دوسرے کی عدم موجودگی میں یا سونے کی حالت میں اس کے گھر سے پارچات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چوری کر لیتا ہے۔ یا ان حالتوں میں سے کسی حالت میں وہ اُس کے سٹور میں سے غلہ چوری کر لیتا ہے۔ اس شخص کا یہ فعل سرقہ کی واردات شمار ہوگا۔ اگر وہ شخص یہ واردات مالک کی موجودگی میں مگر اس کی آزاد مرضی کے خلاف کرتا ہے یا کسی اور طریقے سے دوسرے کا مال لے لیتا ہے تو یہ سرقہ نہیں ہوگا بلکہ اسے نوعیتِ فعل کے لحاظ سے "ٹھگی" غصب یا کوئی دوسرا جرم کہا جائے گا۔ اور اس پر قطع ید کی سزا نافذ نہ ہوگی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث میں ان پہلوؤں کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ آپ نے فرمایا: "لیس علی خائن ولا منتھب ولا مختلس قطع"[1] (خائن اور لٹیرے اور اُچکے کے ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے)۔ ان لوگوں کو قطعِ ید کی سزا کے بجائے تعزیری یعنی کوئی دوسری سزا دی جا سکتی ہے۔ خائن وہ شخص ہے جس کے پاس امانت رکھی گئی ہو اور وہ اُس میں خیانت کر لے۔ لٹیرا وہ ہے جو اپنے زور زور بازو کے بل پر کسی دوسرے کا مال ہڑپ کر لے، اور اُچکا وہ ہے جو چالاکی کے ذریعے مال اُچک لیتا ہے اور بھاگ جاتا ہے۔ ان میں سے کسی کا فعل "خفیہ" کی تعریف میں نہیں آتا۔ نیز یہ لوگ واردات کے وقت چھپے ہوئے نہیں ہوتے۔ ایسے جرائم کے مرتکب لوگوں کو عام لوگوں کے تعاون یا سرکار کی مدد سے مال واپس کرنے پر بھی مجبور کیا جا سکتا ہے اور ان کو جرم سے روکنے کے لیے قطع ید کی سزا کے سوا کوئی اور سزا بھی دی جا سکتی ہے۔

امام زیلعی لکھتے ہیں:

"اگر کسی شخص نے دوسرے شخص کی پوشاک چھین لی ہو، اُس کے بدن کی چادر یا ٹوپی یا کمر کی پیٹی، یا اُس کی تلوار اُڑا لی ہو، یا اُس نے کسی عورت کا زیور جو اُس نے پہن رکھا تھا اُچک لیا ہو تو اُس کے ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے۔ کیونکہ یہ چوری نہیں بلکہ اُٹھائی گیری ہے۔ ہاں اگر اُس نے کسی سوتے ہوئے شخص کے گلے میں سے ہار اُتار لیا ہو یا اُس کی چادر جو اُس نے اوڑھ رکھی ہو یا اسے محفوظ کر کے سر کے نیچے رکھ ہو، اُٹھا لے تو اُس کے ہاتھ کاٹے جائیں گے۔ کیونکہ اُس نے یہ سامان خفیہ طریقے سے سونے والے کی حفاظت میں سے نکال کر اپنے قبضے میں لیا ہے" (نصب الرایہ از زیلعی جز ۳ ص ۲۲۲)۔

"خفیہ طریقہ کو بھی ماہرینِ قانون نے دو حصوں میں منقسم کیا ہے۔ ایک براہ راست خفیہ کارروائی اور دوسری

---

[1] جامع الاصول ج ۴ ص ۳۲۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بالواسطہ خفیہ کارروائی ۔

۱۔ براہ راست خفیہ کارروائی یہ ہے کہ سارق بذاتِ خود مالِ مسروقہ کو مالک کی حفاظت میں سے نکال کر اپنے قبضے میں لے لیتا ہے۔ مثلاً: چور گھر میں گھُسا اور سامان نکال کر باہر لے آیا۔ یا اُس نے سامان گھر کی چار دیواری سے باہر پھینک دیا اور پھر باہر نکل کر اُسے قبضہ میں لے لیا۔ یا اُس نے جیب وغیرہ کو کاٹ دیا اور اپنے ہاتھ سے نقدی یا کوئی چیز نکال لی یا وہ نیچے گر گئی اور اُسے اُٹھا لیا۔ یا اُس نے غلّے کے گودام میں نقب لگائی اور اُس میں سے غلّہ خود بخود گرنے لگا اور چور نے اُسے اپنی بوری میں بھر لیا۔ یہ سب صورتیں براہ راست خفیہ کارروائی میں شمار ہوتی ہیں۔ اور ان صورتوں میں چور کو قطع ید کی سزا ملے گی۔ امام مالک، شافعی، احمد بن حنبل، اور امام ابو یوسف اور زیدیہ کی یہی رائے ہے۔ امام ابو حنیفہؒ ان سے اختلاف کرتے ہیں۔ وہ "مکمل دست درازی" کے نظریے کے قائل ہیں۔ "مکمل دست درازی" یہ ہے کہ چور خود داخل ہو کر اور اپنے ہاتھوں کو استعمال کر کے چوری کا مال باہر نکالے۔

۲۔ بالواسطہ خفیہ کارروائی یہ ہے کہ مثلاً چور لکڑی کو رواں پانی میں پھینک دیتا ہے اور وہ جب بہہ کر حفاظتی انتظامات میں سے باہر نکل آتی ہے تو اُسے قبضہ میں لے لیتا ہے۔ یا وہ کسی بچے کو نقب میں داخل کر دیتا ہے اور وہ بچہ سامان نکال کر اُس کے حوالے کر دیتا ہے۔ یا مثلاً وہ ایسی بھینس خرید لیتا ہے جس کا دودھ پیتا بچہ ہے۔ اس خریداری میں بچہ شامل نہیں ہے۔ بعد میں وہ بھینس لا کر بچے کو دکھاتا ہے اور بچہ بھینس کے پیچھے ہو لیتا ہے۔ اسی طرح آلات کے ذریعہ چوری کرنا بھی اِس حکم میں شامل ہے۔

خفیہ کارروائی خواہ براہ راست ہو یا بالواسطہ اس کی سزا قطع ید ہے بشرطیکہ مالِ مسروقہ حفاظتی انتظامات میں سے نکال کر لیا جائے اور مالک کے قبضے کے بجائے سارق کے قبضے میں آ جائے جیسا کہ ہم آگے اس پر بحث کر رہے ہیں۔

چوری حفاظتی انتظامات میں سے کی گئی ہو

دوسری شرط یہ ہے کہ چور ایسے مال کو اپنے قبضے میں کر لے جو کسی شخص کی حفاظت میں ہو۔ تمام فقہاء نے بالاتفاق "حفاظت" یعنی مال کے محفوظ ہونے کی شرط کو قطع ید کے لیے ضروری قرار دیا ہے۔ "حفاظت کی تعریف یہ ہے کہ چیز کسی ایسے مقام پر رکھی گئی ہو جس میں وہ محفوظ رہے۔ مثلاً گھر یا دکان کے اندر، خیمے کے اندر۔ یا خود کسی انسان کی اپنی نگرانی میں۔ امام مالکؒ، امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام ثوریؒ کا یہی مسلک ہے۔ البتہ ظاہریہؒ اور بعض محدثین "حفاظت" کی شرط نہیں لگاتے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کی رائے میں قرآن کریم میں عام حکم دیا گیا ہے۔ اور یہ نہیں بتایا گیا کہ سارق نے حفاظتی انتظامات میں سے مال چرایا ہو۔ جمہور کی دلیل عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی یہ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لا قطع فی ثمر معلق ولا فی حریسۃ جبل، فاذا اواہ المراح اوالجرین فالقطع فیما بلغ ثمن المجن" (دیوار سے باہر لٹکے ہوئے پھل توڑ لینے یا پہاڑ کے اندر چرنے والی بکری لیجانے پر ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے۔ اگر بکری کو باڑے کے اندر داخل کر دیا یا کھجوروں کو کھلتے میں بھر دیا گیا تو پھر وہاں سے چوری کرنے پر قطع ید کی حد نافذ ہوگی بشرطیکہ مسروقہ چیز کی مالیت ایک ڈھال کی قیمت کے برابر ہو جاتے)۔ یہ خیال رہے کہ جن جرائم میں قطع ید کی سزا نہیں ہے اُن میں دوسری تعزیری سزائیں دی جا سکتی ہیں مثلاً قید یا جرمانہ یا دونوں۔

"حفاظتی انتظام" کو فقہاء نے دو قسموں میں تقسیم کیا ہے:

۱۔ وہ جگہ یا چیز جو سامان و سامان کی حفاظت کے خیال سے بنائی جاتی ہے۔ مثلاً حویلیاں، کوٹھے، باڑے، اصطبل، لوہے یا لکڑی کے صندوق، گودام اور دیگر ایسی اشیاء۔

۲۔ پہرہ کے ذریعہ سامان کی حفاظت۔ مثلاً ایک شخص راستے میں یا مسجد کے اندر بیٹھا ہوا ہے اور اپنے سامان کی نگرانی کر رہا ہے تو اس سامان کو "زیرِ حفاظت" سمجھا جائے گا اور اُسے چوری کرنے والے کے ہاتھ کاٹے جائیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان بن امیہ کی چادر چوری کرنے والے کے ہاتھ کاٹ دیے تھے۔ صفوان اپنی چادر کو سر کے نیچے لے کر مسجد میں سو رہے تھے۔ لیکن اگر کوئی شخص اپنی چادر مسجد میں رکھ کر اِدھر اُدھر چلا گیا تو ایسی صورت میں چوری پر ہاتھ کاٹنے کی سزا نہ ہوگی۔

"حفاظتی انتظامات" پر ماہرینِ قانون اور اربابِ فقہ نے بڑی مفصل بحث کی ہے۔ مثلاً اُن کے نزدیک کمرے کی حفاظت یہ ہے کہ اُسے تالا لگا ہوا ہو۔ اور اگر تالا نہ ہو تو کمرے کے سامان کو "زیرِ حفاظت" نہیں کہا جائے گا۔ اگر مشترک حویلی کے اندر واقع کسی مکان میں سے چوری ہوئی ہے تو جب تک چور حویلی سے باہر سامان نہیں لے آتا قطعِ ید کی سزا کا مستوجب نہ ہوگا۔ امام ابو یوسف اور امام محمد کا یہی مسلک ہے۔ امام مالک اور دوسرے تمام فقہا کی رائے میں مکان سے باہر سامان نکال لینے پر چوری کا الزام عائد ہو جائے گا۔ قبر کو امام ابوحنیفہ، امام محمد، اوزاعی اور سفیان ثوری "زیرِ حفاظت" نہیں سمجھتے۔ اس لیے ان کے نزدیک کفن چور کے ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لا قطع علی المختفی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(المختفی پر قطع ید نہیں ہے) - اہل مدینہ کی زبان میں المختفی کفن چور کو کہا جاتا تھا - اس طرح امام مالک کے نزدیک بچے کے زیور اُتار لینے والے کے ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے - کیونکہ یہ زیور "زیر حفاظت" نہیں تھا - اگر اس بچے کے ساتھ کوئی نگران تھا اور پھر اُس کا زیور اُتار لیا گیا ہو تو قطع ید کی سزا عائد ہو گی - اس طرح اگر کسی شخص کی موٹر شارع عام پر خراب ہو گئی اور وہ اُسے پہرہ دار کے بغیر چھوڑ کر چلا گیا تو یہ صورت "زیر حفاظت" کے ضمن میں نہیں آئے گی -

"حفاظتی انتظامات" کا باب بہت وسیع ہے - ہر معاشرے میں اس کا الگ الگ تصور رہا ہے - اس لیے جج کو اس امر کی اجازت ہے کہ وہ اپنے دَور کے حفاظتی انتظامات کے تصور کے تحت فیصلے کرے -

مسروقہ مال پر چور کا مکمل قبضہ ہو

تیسری شرط یہ ہے کہ مسروقہ سامان پر چور کا مکمل قبضہ ہو جائے - جرم کے ثبوت کے لیے صرف اتنا کافی نہیں ہے کہ ملزم کا ہاتھ غیر کے سامان تک پہنچ جائے - بلکہ اُس کا مکمل قبضہ ہونا ضروری ہے اور مکمل قبضے کے لیے تین باتوں کا بروئے کار آنا لازمی ہے:

۱- سارق مسروقہ مال کو حفاظتی انتظامات میں سے نکالے -

۲- مسروقہ مال مالک کے قبضے سے نکل جائے -

۳- مسروقہ مال سارق کے تصرف میں آجائے -

اگر ان تین باتوں میں سے ایک بات بھی پوری نہ ہو گی تو "مکمل قبضہ" ثابت نہ ہو گا - اور سارق کی سزا قطع ید نہ ہو گی بلکہ کوئی دوسری تعزیری سزا ہو گی -

ایک شخص چوری کی خاطر دیوار پھلانگتا ہے، اور وہ سامان تک پہنچنے سے پہلے پکڑ لیا جاتا ہے، یا سامان جمع کرتے ہوئے پکڑ لیا جاتا ہے - اسی طرح کوئی شخص باڑے میں داخل ہو کر جانور چوری کرنا چاہتا ہے اور جانور کی رسی کھول لیتا ہے یا اگر گھوڑا یا سائیکل یا موٹر ہو تو اُس پر سوار ہو جاتا ہے اور باہر نکلنے سے پہلے ہی پکڑ لیا جاتا ہے - یا ایک شخص ڈھیری کے پاس گیا اور وہاں سے اپنی بوری میں گندم بھرتے ہوئے پکڑ لیا گیا یا بوری بھر لینے کے بعد اُسے پکڑ لیا گیا یا اُس نے بوری اُٹھا لی مگر ڈھیری کی حدود سے باہر نہ نکلا ——— یہ تمام لوگ قطع ید کے مستوجب نہ ہوں گے - کیونکہ انہوں نے مالِ مسروقہ کو ابھی حفاظتی حدود سے باہر نہیں نکالا - اور یوں مالِ مسروقہ مالک کے قبضے میں سے نکل کر سارق کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قبضے میں نہیں آیا تھا کہ چوری کا فعل مکمل ہو۔ لہٰذا ایسی واردات کا ارتکاب کرنے والے پر قطع ید کی حد جاری نہیں کی جائے گی بلکہ اس کے بجائے دوسری تعزیری سزا دی جائے گی۔ ایسی واردات کو قانون کی اصطلاح میں "ارتکاب جرم" نہیں بلکہ "آغاز جرم" کہا جاتا ہے۔ آغاز جرم میں حد نہیں عائد کی جاتی۔

اس بارے میں ایک اور پہلو جو دلچسپ بھی ہے فقہا نے یہ واضح کیا ہے کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مال مسروقہ حفاظتی انتظامات کے اندر ہوتے ہوئے مالک کے قبضے سے نکل جاتا ہے۔ مثلاً چور نے مسروقہ چیز (لعل و جواہر یا نقدی وغیرہ) کو حفاظتی حدود کے اندر کھڑے کھڑے نگل لیا۔ اس صورت میں ظاہر ہے کہ مال مسروقہ پر مالک کا قبضہ ختم ہوگیا اور یہ سارق کے قبضے میں چلا گیا اور اس طرح سے چوری کا فعل مکمل ہوگیا۔ حالانکہ چور اور مال مسروقہ دونوں ابھی حفاظتی انتظامات کے اندر موجود ہیں۔ قانون کی رُو سے اس صورت میں مالِ مسروقہ کا قبضہ مکمل ہوگیا۔ اور وہ قطع ید کے حکم کا مستوجب ہوگا۔

جہاں تک کوئی ایسی چیز نگل لینے کا معاملہ ہے جو پیٹ کے اندر داخل ہوتے ہی خراب ہوجائے۔ مثلاً دُودھ یا دوائی یا دوسری اشیائے خوردنی میں سے کوئی شے، تو یہ فعل از روئے شریعت سرقہ کی تعریف میں نہیں آئے گا۔ بلکہ اسے اس چیز کا تلف کر دینا سمجھا جائے گا۔ اور شریعت کا یہ اصول ہے کہ جو چیز مقام واردات پر ہی تلف ہوجائے وہ "مالِ مسروقہ" نہیں بلکہ "تلف شدہ مال" ہے، خواہ وہ کھا لینے یا پی جانے سے تلف ہوجائے یا پھاڑ دینے سے یا تخریب کر دینے سے۔

اس کے برعکس بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ مالک کے قبضے سے نکال لینے کے باوجود مسروقہ مال چور کے ہاتھ نہیں آتا۔ چنانچہ اس مسئلہ پر کلام کرتے ہوئے امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ مسروقہ مال کسی شخص کے حفاظتی انتظامات سے نکال لے جانے یا مالک کے قبضہ سے نکل جانے کا نتیجہ لازماً یہ نہیں ہے کہ وہ سارق کے قبضہ میں بھی آگیا ہو۔ مثلاً چور گھر میں سے سامان نکال کر دیوار کے باہر پھینک دیتا ہے اور پھر وہ سامان لینے کے لیے باہر نکلتا ہے، مگر وہ یہ دیکھتا ہے کہ کسی دوسرے شخص نے وہ سامان اُٹھا لیا ہے۔ یا چور احاطے میں سے ایک جانور باہر اس غرض کے لیے نکال دیتا ہے کہ جب جانور باہر نکل جائے گا تو وہ اُسے قابو کر لے گا۔ مگر ایک دوسرا چور اُس جانور کو قابو کر لیتا ہے۔ ان حالتوں میں امام ابوحنیفہ کی رائے میں مالِ مسروقہ سارق (چور) کے قبضے میں نہیں آیا۔ لہٰذا سارق پر حد نہیں تعزیر (قطع ید کے بجائے دوسری سزا) لاگو ہوگی۔ امام صاحب اپنے اس نظریے کو "آڑے آنے والے ہاتھ کا نظریہ" کہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ ٹھیک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے کہ سارق جب مال مسروقہ کو حفاظتی انتظامات میں سے نکال لیتا ہے تو اُس مال پر سے مالک کا ہاتھ ہٹ جاتا ہے۔ مگر جب دوسرے چور نے اُس مال کو پا لیا تو اب دوسرے چور کا ہاتھ پہلے چور کے ہاتھ کے آڑے آیا جس نے اصلاً مال چوری کیا تھا۔ اور یوں مال مسروقہ اصل سارق کے قبضے میں نہ آسکا۔ بلکہ دوسرے سارق کے قبضے میں چلا گیا۔ پہلے سارق کو اس لیے قطع ید کی سزا نہ ملے گی کہ وہ مال پر قابض نہ ہو سکا اور دوسرے کو اس لیے قطع ید کی سزا نہ ہو گی کہ اُس نے صحیح مالک کے مال کو حفاظتی انتظامات میں سے نکالنے کا جرم نہیں کیا۔ اِس صورت میں یہ دونوں تعزیر کے مستوجب ہوں گے۔

اگر چور مال مسروقہ حفاظتی انتظام کے باہر پھینک دیتا ہے اور پھر وہ باہر نکلنے سے پہلے ہی پکڑ لیا جاتا ہے تو مال مسروقہ کو چور کے زیر قبضہ نہیں سمجھا جائے گا۔ البتہ اگر وہ باہر نکل کر سامان کو اُٹھا لیتا ہے اور پھر پکڑ لیا جاتا ہے تو اُس کا قبضہ معتبر ہو گا اور اُس پر حد عائد ہو گی۔

مسروقہ چیز "مال" متصور ہوتی ہو

چوتھی شرط یہ ہے کہ مسروقہ چیز "مال" کی تعریف میں آتی ہو۔ تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر مسروقہ چیز ایسا مملوکہ مال ہو جسے بیچ کر معاوضہ حاصل کیا جا سکتا ہو اُس کی چوری پر ہاتھ کاٹے جائیں گے۔ جمہور علماء آزاد انسان کو "مال" شمار نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک آزاد انسان پر کسی دوسرے انسان کا خفیہ طور پر قبضہ کر لینا سرقہ کے حکم کے ضمن میں نہیں آتا۔ البتہ امام مالک اور ظاہریہ کمسن بچے کو جو سن شعور میں داخل نہیں ہوا حکم سرقہ میں شمار کرتے ہیں۔ اس کا اغوا کرنے والا ان کے نزدیک سارق ہے اور اس کی سزا قطع ید ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک کم سن بچے کے اغوا کی سزا قطع ید نہیں بلکہ کوئی دوسری شدید تر تعزیر ہو گی۔

"مال" سے متعلق شرائط

خود "مال" کے لیے بھی فقہاء نے متعدد شرائط بیان کی ہیں جن کے بغیر قطعِ ید کی سزا نافذ نہیں کی جا سکتی۔ پہلی شرط یہ ہے کہ وہ منقولہ مال ہو۔ دوسری یہ کہ وہ قابلِ قیمت اور قابلِ احترام ہو۔ اور تیسری یہ کہ وہ اس نصاب کے برابر ہو جو قطعِ ید کے لیے شریعت نے مقرر کر دیا ہے۔

۱۔ مال کا منقولہ ہونا

منقولہ ہونے کی شرط اس لیے ضروری ہے کہ چوری کا مطلب ہی یہ ہے کہ کسی چیز کو اس کی حفاظتی حدود میں سے نکال کر دوسری جگہ لے جانا اور اُس کا مالک کے قبضے میں سے نکل کر سارق کے قبضے میں چلا جانا۔ یہ صورت صرف منقولہ اشیاء کے معاملے ہی میں پیش آسکتی ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ مسروقہ مال اپنی ساخت اور فطرت کے لحاظ سے منقولہ ہو۔ بلکہ اُس کے منقولہ ہونے کا مطلب یہ ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ چور وغیرہ کے فعل سے وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوسکتا ہے۔ مثلاً مکان اور دیوار غیر منقولہ چیزیں ہیں۔ لیکن ایک شخص مکان کی چھت میں سے لکڑی یا ستون نکال لیتا ہے یا دیوار توڑ کر اینٹیں لے جاتا ہے۔ یہ شخص منقولہ مال کا سارق شمار ہوگا۔ اسی طرح زمین فطرت کے لحاظ سے غیر منقولہ چیز ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص زمین میں سے مٹی نکال لیتا ہے، یا اُس کے پتھر توڑ کر لے جاتا ہے، یا زمین کے بطن سے کوئلہ یا معدنیات نکال کر لے جاتا ہے تو قانون اُسے مالِ منقولہ کا سرقہ کرنے والا تصور کرے گا۔

چند چیزیں ایسی ہیں جنہیں اصلیت کے لحاظ سے سب انسانوں کے لیے جائز سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً قدرتی اشیاء: روشنی، گرمی، ٹھنڈک، پانی اور ہوا وغیرہ۔ بظاہر یہ چیزیں چوری کے ضمن میں نہیں آتیں اور اللہ تعالیٰ کے عطیات ہونے کی حد تک یہ سب کے لیے مشترک ہیں لیکن کوئی اگر کسی چیز کو اپنے علم و فن کے ذریعہ قابلِ انتقال بنا لیتا ہے تو جس طرح دوسری منقولہ اشیاء کا حکم ہے ان کا بھی وہی حکم ہوگا۔ اس لحاظ سے بجلی حکمِ سرقہ میں شمار کی جائے گی۔ کیونکہ بجلی پر قابو پاکر اُسے قابلِ انتقال بنایا جاسکتا ہے اور اُسے دوسرے ضرورت مندوں کو سپلائی کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ قابلِ قیمت اور قابلِ احترام ہو: مسروقہ چیز کی دوسری شرط یہ بتائی گئی ہے کہ وہ "قابلِ قیمت" ہو۔ یعنی اُس کی کوئی قیمت نکل سکتی ہو۔ یہ حنفیہ کی اصطلاح ہے۔ باقی تین ائمہ کی اصطلاح میں اسے "قابلِ احترام" کہا جاتا ہے۔ چنانچہ معمولی اشیاء مثلاً گھاس، مٹی اور لکڑیوں وغیرہ کی چوری پر امام ابوحنیفہ کے نزدیک قطع ید نہیں ہوگا۔ کیونکہ اُن کی رائے میں یہ چیزیں عوام الناس کے نزدیک ایسی حیثیت نہیں رکھتیں کہ ان کو سینت سینت کر رکھا جائے۔ پھل، ترکاری، پرندوں، دودھ اور مٹی کے برتنوں کو بھی امام صاحب حقیر چیزوں میں شمار کرتے ہیں۔ اِسی طرح شراب اور خنزیر کے گوشت پر بھی امام ابوحنیفہ قطع ید کی سزا نہیں دیتے۔ وہ کہتے ہیں کہ مسلمان کے نزدیک یہ چیزیں قابلِ احترام نہیں ہیں۔ اور نہ دولت و ثروت کی تعریف میں آتی ہیں۔ اِسی طرح امام صاحب صلیب اور بتوں اور آلاتِ موسیقی کی چوری پر بھی قطع ید کے قائل نہیں ہیں۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ چوری کرنے والے نے ان چیزوں کو تلف کرنے کی نیت سے چوری کیا ہو۔ اس لیے اس شبہ کی بنا پر حد کے نفاذ کو روکا جاسکتا ہے۔ البتہ اگر ان پر سونا اور چاندی چڑھا ہوا ہو تو اگر اُس کی قیمت چوری کے نصاب کے برابر ہو تو بعض فقہاء کے نزدیک قطع ید ہوگا۔

فقہاء نے اس سلسلے میں جو بحثیں کی ہیں، اہلِ علم کی معلومات کے لیے ہم ان کو اختصار کے ساتھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہاں بیان کرتے ہیں:

۱۔ کھانے کی تازہ چیزیں اور وہ اشیاء جو جلد خراب ہو جاتی ہیں مثلاً دودھ، گوشت اور تازہ پھل اور ترکاری وغیرہ۔

ان کی چوری کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ کی رائے ابھی اوپر بیان کی گئی ہے۔ ان کے برعکس امام ابویوسف شافعی، مالک اور ابوثور اور حنبلی علماء کے نزدیک ان کی چوری کرنے والے کے ہاتھ کاٹے جائیں گے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا من اصاب بفیہ من ذی حاجۃ غیر متخذ خفیۃ فلا شئ علیہ، ومن اخرج بشئ منہ فعلیہ غرامۃ مثلہ، ومن سرق منہ بعد ان یؤویہ الجرین فبلغ ثمن المجن فعلیہ القطع (اگر کوئی ضرورت مند کھجوریں خفیہ کارروائی کیے بغیر منہ میں ڈال لیتا ہے تو اُس کے لیے کوئی سزا نہیں ہے۔ اور اگر ان میں سے کچھ مقدار ساتھ لے جاتا ہے تو اُس پر تاوان ہوگا اور جو شخص کھلیان میں رکھے جانے کے بعد اتنی کھجوریں چوری کر لیتا ہے کہ اُن کی مالیت ایک ڈھال کی قیمت کے برابر ہو جاتی ہے تو اُس پر قطع ید ہے)۔

باقی فقہاء یہ کہتے ہیں کہ ان میں سے کسی چیز کی چوری پر قطع نہیں ہے۔ وہ اپنی دلیل میں حسن بصریؒ کی ایک مُرسل حدیث پیش کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ انی لا اقطع فی الطعام (کھانے پینے کی چیزوں پر میں ہاتھ نہیں کاٹتا)۔ اور دوسری یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا: لا قطع فی ثمر ولا کثر (پھل ترکاری پر قطع ید نہیں ہے)۔

وہ چیزیں جو اصلیت کے لحاظ سے سب کے لیے مباح قرار دی گئی ہیں مثلاً مچھلی اور پرندے وغیرہ، اُن کی چوری پر امام ابوحنیفہ، امام احمد بن حنبل اور ان کے شاگرد قطع ید کے قائل نہیں ہیں۔ یہ حضرات مرغی، بطخ اور کبوتر کو بھی پرندوں میں شمار کرتے ہیں اور ان کی چوری پر قطع ید کا حکم لاگو نہیں کرتے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے پاس ایک مرغی چور لایا گیا حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اُسے قطع ید کی سزا دینے لگے۔ مگر سلمہ بن عبدالرحمٰن نے اُن سے کہا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ لا قطع فی الطیر (پرندوں کی چوری پر قطع ید نہیں ہے)۔ دوسری روایت میں ہے کہ مرغی کی چوری پر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے سائب بن یزید سے فتویٰ پوچھا۔ انہوں نے کہا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"میں نے پرندے کی چوری پر کسی کو ہاتھ کاٹنے کی سزا دیتے ہوئے نہیں پایا ۔" چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے مرغی چوری کرنے والے کو چھوڑ دیا ۔ جہاں تک مچھلی اور شکاری پرندوں کا تعلق ہے تو اُن کے بارے میں حضورؐ کی حدیث ہے کہ "الصید لمن اخذہ" (شکار اس کا جس نے اُسے پکڑ لیا)۔

بعض فقہاء (مثلاً مالک اور شافعی ان چیزوں کی چوری پر قطع ید کی سزا دیتے ہیں ، بشرطیکہ یہ چیزیں محفوظ مقام سے چوری کی گئی ہوں ، اور غیر کے قبضے میں سے نکال کر اپنے قبضے میں لی گئی ہوں ۔

وہ چیزیں جو اسلام کے اندر حرام ہیں ، مثلاً شراب ، خنزیر وغیرہ ان کی چوری پر فقہا ہاتھ نہیں کاٹتے ۔ آلاتِ موسیقی کا بھی یہی حکم ہے ۔ کیونکہ آلاتِ موسیقی بالاجماع معصیت کی اشیاء میں شامل ہیں ۔

کمسن بچے کی چوری پر بھی قطع ید نہیں ۔ خواہ اس نے زیور ہی پہن رکھا ہو ۔ کیونکہ بچہ "مال" کی تعریف میں نہیں آتا ۔ امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ اگر بچے نے اتنی مالیت کا زیور پہن رکھا ہے جو چوری کے نصاب تک پہنچ گیا ہے تو زیور کے سرقہ کی بنا پر چور کے ہاتھ کاٹے جائیں گے ۔ البتہ بچے اغوا کرنے والے کو قطع ید کے سوا کوئی سخت سے سخت تعزیری سزا دی جا سکتی ہے ۔

قرآن کریم ، حدیث کی کتابیں ، مسجد کی قندیلیں ، دروازے اور دیگر اشیاء کے بارے میں امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ ان کی چوری پر ہاتھ کاٹے جائیں گے کیونکہ یہ "قابل قیمت" سامان ہے ۔ موجودہ دور میں لاؤڈ اسپیکر ، کلاک ، پنکھے ، ہیٹر اور قیمتی فرش بھی اسی حکم میں شامل ہیں ۔ امام مالک ، ابو یوسف اور امام احمد کا بھی یہی مسلک ہے ۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک قرآن کریم کی چوری پر قطع ید نہیں ہے ۔ یہ اللہ کا کلام ہونے کی وجہ سے ایسا مال نہیں ہے جس کا معاوضہ لگایا جا سکتا ہو ۔

امام احمد بن حنبل کے نزدیک یہ ضابطہ ہے کہ ہر مال کی چوری پر قطع ید کی سزا لازم ہے خواہ وہ حقیر ہو یا اصلاً مباح ہو اور قابلِ تلف ہو ۔ اس ضابطے میں سے حنبلیہ مندرجہ ذیل آٹھ اشیاء کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں : پانی ۔ گھاس ۔ برف ۔ عام مٹی ۔ قدرتی کھاد ۔ قرآن کریم ۔ پھل اور ترکاری ۔ حرام اشیاء ۔ اور آلاتِ طرب و غنا ۔

یہ تفصیلات ہم نے اس لیے نقل کر دی ہیں کہ موجودہ زمانے کے قانون دانوں کے سامنے وہ مثالیں آ جائیں جو چوری کے جرم کے سلسلے میں فقہاء نے اختیار کی ہیں ۔ اصل میں صرف دو اصول ہی اختیار کیے گئے ہیں ۔ ایک یہ کہ مسروقہ مال قابل قیمت ہو اور دوسرا یہ کہ وہ "محلِ احترام" ہو ۔ کسی چیز کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قابلِ قیمت اور محلِ احترام ہونے کا تصور ہر زمانے میں الگ الگ ہو سکتا ہے۔ ایک چیز قدیم زمانے میں ہیچ تھی مثلاً مٹی ا۔ رکھاد۔ لیکن آج وہ قیمتی اشیاء میں شمار کی جاتی ہے۔

۳- بقدر نصاب ہو | مسروقہ مال کی تیسری شرط نصاب ہے۔ اس باب میں فقہائے امت کے درمیان دو بڑی رائیں پائی جاتی ہیں۔

ظاہریہ، حسن بصری، خوارج اور متکلمین کا ایک گروہ نصاب کی شرط کا قائل نہیں ہے۔ ان حضرات کے نزدیک مال مسروقہ کم ہو یا زیادہ قطع ید کی سزا عاید ہوگی۔ وہ دلیل یہ دیتے ہیں کہ سرقہ والی آیت کا حکم عام ہے اس میں قلیل یا کثیر کی کوئی حد نہیں مقرر کی گئی۔ نیز آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بھی وہ پیش کرتے ہیں کہ لعن اللہ السارق یسرق البیضۃ فتقطع یدہ ویسرق الحبل فتقطع یدہ (خدا چور پر لعنت بھیجے۔ ایک انڈا چوری کرتا ہے اور ہاتھ کٹوا لیتا ہے۔ ایک رسی چوری کرتا ہے اور ہاتھ کٹوا لیتا ہے)۔

لیکن جمہور فقہا کے نزدیک چور کے اس وقت تک ہاتھ نہ کاٹے جائیں گے جب تک وہ بقدر نصاب چوری نہ کرے۔ نصاب کی مقدار پر جمہور فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے اور اس سلسلے میں دو بڑے گروہ نظر آتے ہیں۔

پہلا گروہ حجاز کے فقہاء: امام مالک، امام شافعی اور دیگر اصحاب کا ہے۔ ان کے نزدیک چوری کا نصاب تین درہم (چاندی کا سکہ) یا چوتھائی دینار (سونے کا سکہ) ہے۔ البتہ ان میں یہ اختلاف ہے کہ اگر مسروقہ مال سونے اور چاندی کے سوا کوئی اور سامان ہو تو اس کی مالیت درہموں کے حساب سے لگائی جائے گی یا دینار کے حساب سے۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ مالیت دینار کے حساب سے لگائی جائے گی۔ اور اگر مال مسروقہ کی کم از کم قیمت چوتھائی دینار ہوگی تو قطع ید کی سزا ہوگی ورنہ نہیں، خواہ درہموں کے لحاظ سے اس کی مالیت تین درہم بن جاتی ہو۔

دوسرا گروہ فقہائے عراق: امام ابو حنیفہ اور ان کے شاگردوں کا ہے۔ ان کے نزدیک نصاب کی مقدار دس درہم ہے۔ دس درہم سے کم مالیت کی چوری پر قطع ید نہیں ہوگا۔ فقہائے عراق کی دلیل آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ ایک ڈھال کی قیمت سے کم کی چوری پر ہاتھ نہ کاٹے جائیں۔ حجازی فقہا کہتے ہیں کہ اس زمانے میں ڈھال کی قیمت تین درہم تھی اور عراقی فقہاء کہتے ہیں کہ دس درہم تھی۔

© rasailojaraid.com

حضرت عبداللہ بن عباس کا یہ قول بھی اس کی تائید کرتا ہے کہ کان ثمن المجن علی عھد رسول اللہ عشر دراھم (آنحضورؐ کے زمانے میں ڈھال کی قیمت دس درہم تھی)۔

فقہائے حجاز کی رائے کی تائید میں بھی آنحضورؐ کی متعدد احادیث موجود ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ نے چوتھائی دینار پر ہاتھ کاٹے ہیں۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول بھی مروی ہے کہ ڈھال کی قیمت چوتھائی دینار تھی۔

حنفی فقہا نے اس اختلاف کا فائدہ سارق کو دیا ہے اور کم از کم چوری کا نصاب دس درہم مقرر کیا ہے۔

ان دو بڑے گروہوں کے علاوہ نصاب کے باب میں ایک تیسری رائے بھی ملتی ہے۔ اس رائے کے علمبردار حضرت ابوہریرہؓ، ابوسعید خدریؓ اور ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے نزدیک چوری کا نصاب چالیس درہم ہے۔ اور دلیل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول نقل کیا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حقیر چیزوں کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹے جاتے تھے۔ بلکہ کم از کم ایک ڈھال کی قیمت پر ہاتھ کاٹے جاتے تھے۔ اور اُن دنوں ڈھال خاصی قیمتی ہوتی تھی۔ یہاں یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ چالیس درہم کی قیمت موجودہ ۷ اگرام خالص سونا بنتی ہے۔ چنانچہ لیبیا کی حکومت نے چوری کا نصاب چالیس درہم مقرر کیا ہے۔

الغرض چوری کا نصاب ایسی چیز ہے کہ اسے علمائے اسلام اپنے ہاں کے حالات وظروف کے لحاظ سے اور روپے کی قیمت کے لحاظ سے متعین کر سکتے ہیں۔ اس تعین میں انہیں دو باتوں کا خیال رکھنا ہوگا۔ ایک مالک کے حقوق کا لحاظ۔ اس لیے کہ شرعی سزائیں انسانوں کی جان و مال اور عزت کی حفاظت کے لیے مقرر کی گئی ہیں۔ اور دوسرے مجرم کا لحاظ کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ الحدود تندرأ بالشبھات (شکوک پیدا ہو جانے پر حدود ٹل جاتی ہیں)۔ نیز یہ قول کہ قاضی کا سزا معاف کرنے میں غلطی کر جانا اس سے بہتر ہے کہ وہ سزا دینے میں غلطی کر جائے۔

اس سلسلے میں چند اور باتیں بھی قابلِ ذکر ہیں:

۱۔ اگر مالِ مسروقہ کی قیمت لگانے میں اختلاف پیدا ہو جائے۔ ایک گروہ کہے کہ اس کی قیمت دس درہم ہے۔ اور دوسرا یہ کہے کہ یہ دس درہم سے کم ہے۔ یعنی نصاب کی مالیت سے کم ہے تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چور کے ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ چور کو ہاتھ کاٹنے کی سزا سنائی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کی چوری کی قیمت آٹھ درہم سے زیادہ نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے سزا منسوخ کر دی۔

۲۔ یہ ضروری ہے کہ جو قیمت بھی طے کی جائے اُس پر ایک سے زیادہ افراد کی رائے کا اتفاق ہو۔

۳۔ تمام ائمہ کے نزدیک مسروقہ مال کی قیمت وہ لگائی جائے گی جو سرقہ کے وقت تھی۔ خواہ وہ چیز سرقہ کے بعد صحیح و سالم رہی ہو یا ٹوٹ پھوٹ گئی ہو۔ البتہ اگر سرقہ کے بعد مسروقہ مال کی قیمت بازار میں کم ہو گئی ہو تو حنفی مذہب میں کئی اقوال نقل کیے گئے ہیں۔ بعض حنفی فقہاء یہ کہتے ہیں کہ مسروقہ مال کی وہ قیمت لگائی جائے گی جو چوری کا فیصلہ سنانے کے وقت ہو گی اور کچھ دوسرے حنفی فقہاء کی رائے میں قیمت وہ ہو گی جب چور نے مال حفاظتی انتظامات میں سے باہر نکال لیا تھا۔ یعنی چوری کے وقت۔ مگر حنفیہ کے سوا دیگر تینوں مذاہب ہر حال میں مسروقہ مال کی وہ قیمت لگاتے ہیں جو سرقہ کے وقت تھی۔ اور اس بات کا کوئی لحاظ نہیں کرتے کہ بعد میں اُس کا نرخ کیا تھا۔

۴۔ اگر مسروقہ مال کئی اشخاص کی ملکیت ہو اور مجموعی طور پر اس کی مالیت نصاب کے برابر بن جاتی ہو تو چور کے ہاتھ کاٹے جائیں گے۔

۵۔ اگر چند افراد نے مل کر چوری کی، اور مجموعی طور پر مسروقہ مال نصاب کی مالیت کے برابر ہو گیا اور جب اُن کے اندر تقسیم ہوا تو ہر ایک کے حصے میں اس قدر مال آیا کہ اُس کی مالیت نصاب سے کم ہو گئی تو ایسی صورت میں امام مالک یہ کہتے ہیں کہ سب کے ہاتھ کاٹے جائیں گے۔ امام شافعیؒ، امام احمد اور ابو ثور بھی امام مالک کے قول کو اختیار کرتے ہیں۔ مگر امام ابو حنیفہ یہ کہتے ہیں کہ اُن میں سے کسی کے بھی ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے۔ اِلّا یہ کہ ہر ایک کے حصے میں اس قدر مال آئے کہ وہ چوری کے نصاب کے برابر ہو۔

مسروقہ مال "ملکیتِ غیر" ہو

قطع ید کے لیے پانچویں شرط یہ ہے کہ مسروقہ مال "ملکیتِ غیر" ہو۔

اس اصول کے پیشِ نظر مندرجہ ذیل صورتوں میں سارق کو قطع ید کی سزا نہیں دی جائے گی:

۱۔ اگر کسی شخص نے سرکاری بیت المال سے چوری کر لی تو اس کے ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے۔ کیونکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیت المال کے اندر سارق کا حصہ شبہ کی حد تک ضرور موجود ہے۔ اور جہاں شبہ پیدا ہو وہاں حد ٹل جاتی ہے۔ ایک مرتبہ ایک گورنر نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ ایک شخص نے بیت المال سے سامان چوری کر لیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا: اس کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں۔ اس لیے کہ کوئی شہری ایسا نہیں ہے جس کا بیت المال میں کسی نہ کسی حد تک حق نہ ہو۔ شعبی بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک شخص نے بیت المال سے چوری کر لی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا: اس کا بیت المال میں حصہ ہے۔ چنانچہ آپ نے اسے قطع ید کی سزا نہ دی۔ امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور ان کے اصحاب کا یہی مسلک ہے۔ امام مالک کہتے ہیں: اس کے ہاتھ کاٹے جائیں گے۔ کیونکہ اس نے "زیر حفاظت" مال میں سے چوری کی ہے۔ اور جب تک وہ حاجت مند نہ ہو وہ اس مال میں کوئی حصہ نہیں رکھتا۔ ابن حزمؒ کا بھی یہی قول ہے۔ تمام سرکاری املاک کی چوری کا وہی حکم ہے جو اوپر بیان کیا گیا ہے۔ یعنی امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اور زیدیہ کے نزدیک سرکاری اموال میں شبہ شرکت کی بنا پر قطع ید کی سزا نہ ہوگی کیونکہ سرکاری اموال میں ان فقہا کے نزدیک "ملکیت غیر" کی شرط مکمل طور پر پوری نہیں ہوتی۔ البتہ امام مالک سرکاری مال کی چوری پر قطع ید کے قائل ہیں۔

۲۔ اگر کوئی قرض خواہ اپنے مقروض کے مال میں سے وہ چیز اتنی مقدار میں چوری کر لیتا ہے جو اس نے قرض دے رکھی ہو اور قرض کی ادائیگی کی مدت پوری ہو چکی ہو تو اس سرقہ پر اس کے ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے بلکہ اسے ادائے قرض سمجھ لیا جائے گا۔ لیکن اگر مال مسروقہ اس جنس میں سے نہ ہو جو اس نے قرض دے رکھی تھی تو اس صورت میں اس کے ہاتھ کاٹے جائیں گے۔ کیونکہ یہ وصولی قرض نہیں ہوگی بلکہ مقروض کی رضامندی کے بغیر ایک جنس کی تبدیلی دوسری جنس سے ہوگی۔

۳۔ اگر آجر (کرایہ پہ دینے والا) متاجر (کرایہ پہ لینے والے) کا وہ مال چوری کر لیتا ہے جو اس نے کرایہ پہ دے رکھا ہے تو امام شافعی اور ابو یوسف کے نزدیک قطع ید نہیں ہوگا۔ دوسروں کے نزدیک قطع ید ہوگا۔

۴۔ اسی طرح اگر عاریۃً" دینے والا شخص عاریۃً لینے والے، یا راہن (رہن رکھنے والا) مرتہن (رہن پہ لینے والے) کے ہاں سے مستعار دی ہوئی یا رہن رکھی ہوئی چیز چوری کر لیتا ہے تو اسے قطع ید کی سزا نہ ہوگی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس طرح کی تمام صورتوں میں مال مسروقہ "غیر" کی ملکیت کے معیار پر پورا نہیں اترتا۔ لہٰذا قطع ید کے لیے مقررہ ایک شرط پوری نہیں ہوتی۔

۵۔ اگر مسروقہ مال کا مالک گمنام ہو تو امام مالک کے نزدیک چور کے ہاتھ کاٹے جائیں گے۔ اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کے ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے۔ امام صاحب کے نزدیک قطع ید کے لیے مالک کا استغاثہ ضروری ہے۔

۶۔ اگر سارق نے کسی ایسی کمپنی سے مال چوری کیا جس میں وہ خود بھی شریک ہے تو امام ابوحنیفہ، شافعی، احمد اور شیعہ کے نزدیک قطع ید نہیں ہوگا۔ اسی طرح جس مسروقہ مال کے اندر سارق کی ملکیت کا تھوڑا بہت بھی شبہ ہوگا، اس شبہ کی بنا پر اسے قطع ید کی سزا نہ ہوگی بلکہ تعزیری سزا ہوگی۔ مثلاً والد بیٹے کے مال میں سے کچھ چوری کرلے۔ بیٹے کے مال میں والد کا حصہ حقیقی نہ سہی شبہ کی حد تک ضرور ہوگا۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی سے ارشاد فرمایا تھا: انت ومالک لابیک (تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے)۔

۷۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک قاضی کے فیصلے سے پہلے اگر سارق مال مسروقہ کا مالک بن جاتا ہے تو وہ قطع ید کی سزا سے بچ جائے گا۔ اگر قاضی کے فیصلہ کے بعد مالک ہوا تو پھر امام ابو یوسف کے نزدیک قطع ید کی سزا سے نہ بچ سکے گا۔ حضرت صفوان بن امیہ کی جب چادر چوری ہوگئی اور انہوں نے چور کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کردیا، تو آپؐ نے اس کے ہاتھ کاٹ دینے کا حکم دیا۔ صفوان نے کہا: یا رسول اللہ، میں یہ سزا تو اسے نہیں دلوانا چاہتا تھا۔ یہ چادر میں اسے صدقہ کرتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: "میرے پاس لانے سے پہلے یہ کام کیوں نہ کیا؟" اس سے ثابت ہوا کہ فیصلے کے بعد مسروقہ مال کا ملکیت میں آجانا حد کو ساقط نہیں کرتا۔

میاں بیوی، باپ بیٹے، رشتہ داروں کی باہم چوریوں اور گھریلو ملازموں کی چوریوں کے بارے میں بھی فقہا نے اسی طرح بحث کی ہے۔ مثلاً میاں اور بیوی کی چوری کے بارے میں حنفیہ کی مشہور کتاب فتح القدیر کا بیان یہ ہے کہ:

> اگر میاں یا بیوی میں سے کسی ایک نے دوسرے کا مال چوری کرلیا تو اس پہ قطع ید کی سزا نہ ہوگی کیونکہ دونوں معمولاً گھر میں اجازت کے بغیر آتے جاتے رہتے ہیں۔ اس لیے "حفاظت" کی شرط پوری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں ہوتی۔ اگر ان میں سے کسی نے اپنے سامان کی حفاظت کا خصوصی انتظام کر رکھا ہے اور وہ جگہ ایسی ہے جہاں ان دونوں میں سے کوئی بھی رہائش پذیر نہیں ہے تو بھی ہمارے نزدیک اس کی چوری پر قطع ید نہیں ہوگا۔ مگر امام شافعی (اپنے ایک قول میں) اور امام مالک اور امام احمد اس صورت میں قطع ید کے قائل ہیں۔ امام شافعی کا ایک قول یہ بھی ہے کہ خاوند اگر چوری کرے تو اس کے ہاتھ کاٹے جائیں گے بیوی کے نہیں" (فتح القدیر جلد ۴ ص ۲۴۸)۔

بیوی کو اس لیے سزا سے مستثنیٰ کر دیا کہ چونکہ خاوند پر بیوی کا نان نفقہ عائد ہوتا ہے۔ اس لیے خاوند کے مال میں بیوی کا حصہ ہونے کا شبہ لاحق ہو جاتا ہے۔ اور شبہ حدود کو ساقط کر دیتا ہے۔

چوری "ارادۂ جرم" سے کی گئی ہو چھٹی شرط یہ ہے کہ ملزم نے چوری کی واردات جرم کی نیت اور مسروقہ مال پر اپنی ملکیت قائم کرنے کی نیت سے کی ہو۔ اس بحث کا عنوان فقہاء نے "ارادۂ جرم" رکھا ہے۔ خفیہ طریقہ سے دوسرے کے مال پر قبضہ کرنے کا فعل صرف اسی صورت میں سرقہ کہا جائے گا جب یہ ثابت ہو جائے کہ ملزم واردات کرتے وقت یہ جانتا تھا کہ یہ کسی دوسرے شخص کا مال ہے اور اس کو اپنے قبضہ میں لینا جرم ہے، اور اسی ارادے سے وہ مالک کے علم اور رضامندی کے بغیر یہ فعل سرانجام دے رہا ہے۔

فقہاء کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اس نیت سے دوسرے کا مال لے لیتا ہے کہ یہ اس کے لیے جائز ہے یا یہ کہ مالک نے اسے متروک کر رکھا ہے تو اس کو قطع ید کی سزا نہیں دی جائے گی۔ کیونکہ اس صورت میں "ارادۂ جرم" مفقود ہے۔

مثلاً ایک شخص دوسرے کی کوئی چیز اس نیت سے لے جاتا ہے کہ وہ اس کی ماہیت سے آگاہ ہو کر یا اسے استعمال کرنے کے بعد واپس کر دے گا یا بطور تمسخر اسے لے جاتا ہے، یا اس خیال سے لے جاتا ہے کہ مالک کو اس کے لے جانے پر کوئی اعتراض نہیں ہے تو ان صورتوں میں سزا نہیں ہے۔

ثبوتِ سرقہ کے ذرائع چوری کا ثبوت فراہم کرنے کے دو ذرائع ہیں۔ ایک چور کا اپنا اقرار و اقبال اور دوسرے دیگر گواہوں کی شہادت۔ ان دونوں ذریعوں کے بارے میں فقہاء نے درج ذیل بحثیں کی ہیں:

۱۔ چور کا اقرار اقرار: کسی شخص کا اپنی آزاد مرضی سے بقائمی ہوش و حواس یہ اقرار کرنا کہ اس نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چوری کی ہے، چوری کے ثبوت کے لیے کافی ہے۔ آیا یہ اقرار ایک بار کر لینا کافی ہے یا ایک سے زائد بار؟ اس بارے میں فقہا کے درمیان اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ، امام محمد، امام شافعی، ثوری اور عطا یہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ اقرار کر لینے سے جرم ثابت ہو جاتا ہے۔ مگر علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، ابن ابی لیلیٰ، ابو یوسف، ابن شبرمہ اور حنابلہ کے نزدیک جب تک ملزم قاضی کے سامنے دو مختلف پیشیوں میں دو مرتبہ اقرار نہیں کرتا اُس کے ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے۔ وہ دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چور لایا گیا جس نے اپنے جرم کا اقرار کیا۔ آپؐ نے فرمایا: "مَا اَخَالُکَ سَرَقْتَ" (میرا خیال ہے کہ تم نے چوری نہیں کی)۔ اُس نے جواب دیا: "میں نے چوری کی ہے"۔ آپؐ نے اپنا سوال دو یا تین مرتبہ دہرایا۔ وہ ہر مرتبہ اپنے جرم کا اقرار کرتا رہا۔ اس پر آپ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ امام احمد کہتے ہیں کہ چور کو یہ بھی تلقین کی جا سکتی ہے کہ وہ رجوع کر لے۔ جمہور فقہا کا یہی قول ہے۔ اور خلفائے راشدین سے بھی یہ طریقہ مروی ہے۔ جو فقہا دو مرتبہ اقرار کی شرط عائد کرتے ہیں اُن کے نزدیک اگر ملزم نے صرف ایک مرتبہ اقرار کیا تو اُس کے ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے۔ اُسے تعزیری سزا دی جائے گی۔ اور مسروقہ مال کی قیمت اُس سے وصول کی جائے گی۔

اگر ملزم قطع ید کی سزا نافذ ہونے سے پیشتر اپنے اقرار سے رجوع کر لیتا ہے تو قطع ید کی سزا ساقط ہو جائے گی۔ البتہ مال مسروقہ کا تاوان اُسے ادا کرنا ہوگا۔ کیونکہ یہ مالک کا حق ہے جو ساقط نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس بارے میں ابن حزم اندلسی کی رائے زیادہ وجیہ ہے۔ وہ المحلّٰی جز ۱۱ ص ۳۴۰ - ۳۴۱ میں لکھتے ہیں:

"جو شخص چوری کا اقرار کرتا ہے اُس کا یہ اقرار دو حالتوں سے خالی نہیں ہے۔ یا یہ اقرار اُس نے تشدد و تعذیب کے بغیر کیا ہوگا یا تشدد و تعذیب کی وجہ سے کیا ہوگا۔ اگر دوسری صورت ہے تو پھر اُس کو ہاتھ کاٹنے کی سزا ہرگز نہ دی جائے گی، خواہ اُس نے چوری کا مال پیش کر دیا ہو یا نہ کیا ہو۔ اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ یہ جانتا ہو کہ یہ مال کہاں پڑا ہے اور تشدد کی بنا پر اُس نے مجبوراً نشاندہی کر دی ہو۔ یا مال اس کے پاس رکھ کر اُس سے برآمد کر لیا گیا ہو۔ لہٰذا قطع ید کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"اور اگر اس نے تعذیب و تشدد کے بغیر اپنی مرضی سے اقرار کیا ہے تو اُس کے ہاتھ کاٹے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جائیں گے۔ خواہ اُس نے مال مسروقہ پیش کیا ہو یا نہ کیا ہو۔"

ابن حزم مزید لکھتے ہیں: بعض فقہا یہ کہتے ہیں کہ اگر سارق نے پہلے جرم کا اقرار کرلیا، پھر اُس سے رجوع کرلیا تو اُس کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں، لیکن جس مال کی چوری کا اُس نے اقرار کیا تھا وہ اُس کے ذمہ ہوگا۔ لیکن میں (ابن حزم) یہ کہتا ہوں کہ اگر اُس نے ایک مرتبہ اقرار کرلیا تھا تو اُس کے دو ہی پہلو ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ اُس نے سچا اقرار کیا تھا۔ اور دوسرا یہ کہ اُس کا اقرار جھوٹ تھا۔ اگر اُس کا اقرار سچا تھا تو پھر اُسے سزا نہ دینا اللہ تعالیٰ کے حکم کو معطل کرنا ہے۔ اور اگر اُس نے جھوٹا اقرار کیا تو پھر اُس پر مسروقہ مال کا تاوان ڈالنا ظلم ہے۔ اور یہ دونوں صورتیں جائز نہیں ہیں۔"

کچھ فقہا یہ کہتے ہیں کہ جب تک مالک کی طرف سے استغاثہ یا دعویٰ دائر نہیں کیا جاتا سزا نافذ نہ ہوگی۔ اس رائے کے سب سے بڑے علمبردار امام ابوحنیفہ ہیں۔ امام شافعی اور امام احمد بھی اس کے حامی ہیں۔ ان حضرات کے نزدیک جب تک مال کے وارث کی طرف سے دعویٰ نہیں کیا جاتا محض گمنام یا مفقود الخبر شخص کے مال کی چوری پر ملزم کے اقرار کے باوجود قطع ید کی سزا نافذ نہ ہوگی۔ امام ابوحنیفہ اور اس رائے کے دیگر حامیوں کی دلیل یہ ہے کہ سَمُرہ نے جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر یہ اقرار کیا تھا کہ اُس نے اُونٹ چوری کیا ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُونٹ کے مالکوں کی طرف ایک آدمی بھیج کر یہ دریافت کیا کہ آیا اُن کا اُونٹ غائب ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ: "ہاں، فلاں رات سے ہمارا ایک اُونٹ گم ہے۔" اس کے بعد آنحضورؐ نے سَمُرہ کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔

امام مالک یہ کہتے ہیں کہ اگر ملزم اپنے اقرار سے منحرف ہوجائے۔ اور جرم گواہوں کی شہادت سے ثابت ہوجائے تو انحراف کے باوجود سارق کے ہاتھ کاٹے جائیں گے۔ امام احمد اور ظاہریہ بھی اسی مسلک کے قائل ہیں۔

۲- گواہی ثبوتِ جرم کے لیے شریعت نے دو عادل گواہوں کی شہادت مقرر کی ہے۔ دو مرد عینی گواہ ہوں، یا ایک عینی گواہ اور دو شنید کے گواہ ہوں، یا ایک عینی گواہ اور مدعی کی طرف سے مسروقہ مال کی ملکیت کی قسم۔ اِن شہادتوں کے بغیر سرقہ کے جرم میں قطع ید کی سزا نہیں ہوگی۔ قاضی تعزیری سزا اور مسروقہ مال کی مالیت کا تاوان عائد کرسکتا ہے۔ حدود کے بارے میں عورت کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ اسی طرح فساق و فجار کی گواہی بھی معتبر نہ ہوگی۔ گواہ عادل ہوں۔ اور عدالت کی کم از کم شرط یہ ہے کہ کبائر سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اجتناب اور صغیرہ گناہوں سے اکثر و بیشتر پرہیز کرتے ہوں۔

اس بارے میں ائمہ کے مابین اختلاف ہے کہ قانونی مدت گزر جانے کے بعد گواہوں کی گواہی معتبر ہوگی یا نہیں۔ امام ابوحنیفہ قانونی مدت کی شرط عائد کرتے ہیں، اور قانونی مدت گزر جانے کے بعد نہ شہادت قبول کرتے ہیں اور نہ قطع ید کی سزا دیتے ہیں۔ ان کا موقف یہ ہے کہ خالص حدود کے معاملے میں تقادم (جرم کا پرانا ہوجانا) شہادت کو باطل کر دیتا ہے۔ اور شہادت کے اندر ذاتی حسد اور کینہ کا شبہ پیدا کر دیتا ہے۔ اور شبہ حد کو ٹال دیتا ہے۔ بطلانِ شہادت سے حد نافذ نہ ہوگی۔ البتہ اس میں کوئی امر مانع نہیں ہے کہ اس شہادت کی بدولت مالِ مسروقہ کی ملکیت مستغیث کے لیے ثابت ہوجائے۔ اور ملزم کو تعزیر اور تاوان کی سزا دی جائے۔ باقی تینوں ائمہ (امام مالک، شافعی، احمد بن حنبل) تقادم کو تسلیم نہیں کرتے۔ چوری نئی ہو یا پرانی اگر قاضی کو اس کے وقوع پر اطمینان ہوگیا ہے تو شہادت معتبر ہوگی اور سزا نافذ ہوگی۔

اگر چوری کی واردات متعدد چوروں نے مل کر کی ہو۔ اور ان میں سے بعض مفرور ہوں اور بعض موجود۔ اس صورت میں دو گواہوں کی شہادت پر چوری ثابت ہوجائے گی۔ اور جو چور موجود ہیں ان کے ہاتھ کاٹے جائیں گے۔ اور جو مفرور ہیں ان کے ہاتھ اس وقت تک نہیں کاٹے جائیں گے جب تک ان کو حاضر کرنے کے بعد سابقہ شہادت کو ان کے سامنے نہ دہرایا جائے یا نئی شہادت فراہم نہ کی جائے۔ امام ابوحنیفہ کے سوا باقی تینوں ائمہ اس رائے کے قائل ہیں۔

قاضی کو گواہوں کی صداقت و عدالت ثابت کرنے کے لیے ان پر جرح کرنا ہوگی، خواہ ملزم گواہوں پر اعتراض کرے یا نہ کرے۔ یہ صرف حدود و قصاص کے بارے میں قاضی پر پابندی ہے۔ دوسرے معاملات میں اگر مدعا علیہ کی طرف سے گواہوں پر کوئی اعتراض ہو تب قاضی کی طرف سے جرح کی جائے گی ورنہ نہیں۔

قطعِ ید کی کیفیت | اب آخر میں ہم قطعِ ید پر روشنی ڈالیں گے۔

فقہاء کے درمیان قطعِ ید کی تعریف اور حدود میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہ اختلاف قطعِ ید والی آیت کی تفسیر اور آنحضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی احادیث کی تشریح میں واقع ہوا ہے۔

جمہور فقہاء یہ کہتے ہیں کہ "فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا" سے مراد دایاں ہاتھ کلائی سے کاٹنا ہے۔ اثنا عشریہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے نزدیک انگلیوں کی جڑوں سے ہاتھ کاٹنا چاہیے۔ تمام انگلیاں کٹ جائیں اور ہتھیلی باقی رہ جائے۔ خوارج کہتے ہیں کہ پورا ہاتھ یعنی کندھے سے کاٹنا چاہیے۔ جمہور کا مسلک سب پر ترجیح رکھتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلائی سے چور کے ہاتھ کاٹے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ دونوں سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ: "اذا سرق السارق فاقطعوا یمینہ من الکوع" (جب چور چوری کرے تو اُس کا دایاں ہاتھ کلائی سے کاٹ دو)۔

جمہور کی متفقہ رائے کے مطابق جب چور پہلی مرتبہ چوری کرے تو اُس کا دایاں ہاتھ کاٹا جائے اور جب وہ دوبارہ چوری کرے تو اُس کی سزا کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔

۱۔ حنفیہ اور حنبلیہ کہتے ہیں کہ پہلی چوری میں دایاں ہاتھ اور دوسری چوری میں بایاں پاؤں کاٹا جائے گا۔ اور اگر وہ پھر اعادہ کرے تو قطع کی سزا نہیں دی جائے گی بلکہ غیر معینہ مدت کے لیے محبوس کر دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ مر جائے یا اُس کا تائب ہونا واضح ہو جائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اُن کے پاس ایک چور لایا گیا جس کا ہاتھ اور پاؤں پہلے سے کٹے ہوئے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اُسے قطع کی سزا نہیں دی۔ فرمانے لگے کہ میں اللہ سے شرم کرتا ہوں کہ میں اُس کا کوئی ہاتھ نہ رہنے دوں جس سے وہ اپنا کام کر سکے اور نہ کوئی پاؤں چھوڑوں جس کے بل پر چل سکے۔ صحابہ نے انہیں مشورہ دیا کہ اس کا ہاتھ کاٹ دینا چاہیے۔ مگر آپ نے جواب دیا، "یہ تو اُسے قتل کر ڈالنا ہے حالانکہ اُس نے جرمِ قتل نہیں کیا۔ وہ کھائے گا کس چیز سے؟ نماز کے لیے وضو کیسے کرے گا؟ (اور) جب غسل کیسے کر سکے گا؟ اپنی ضرورت کس طرح سرانجام دے سکے گا؟"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی اُن کے پاس لایا گیا جس کا ہاتھ اور پاؤں کٹے ہوئے تھے۔ آپ نے اُسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے جیل بھیج دیا۔

۲۔ مالکیہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ چور کا دایاں ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اور اگر دوبارہ چوری کرے تو اُس کا بایاں پاؤں کاٹ دیا جائے۔ اور اگر تیسری مرتبہ چوری کرے گا تو اُس کا بایاں ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ اور اگر چوتھی مرتبہ چوری کرے گا تو اُس کا دایاں پاؤں بھی کاٹ دیا جائے گا۔ اور اگر پھر اُس نے کسی طرح چوری کر ڈالی تو اُسے محبوس کر دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ مر جائے یا سچی توبہ کر لے۔ ان حضرات کا یہ مسلک حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت پر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: السارق ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سرق فاقطعوا یدہ ثم ان سرق فاقطعوا رجلہ ثم ان سرق فاقطعوا یدہ ثم ان سرق فاقطعوا رجلہ (جب کوئی شخص چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹ دو، پھر چوری کرے تو اُس کا پاؤں کاٹ دو، پھر چوری کرے تو اُس کا دوسرا ہاتھ بھی کاٹ دو اور چوتھی مرتبہ چوری کرے تو اُس کا دوسرا پاؤں بھی کاٹ دو)۔

۳۔ داؤد اور ربیعہ کا مسلک یہ ہے کہ قطع کا حکم صرف دونوں ہاتھوں پر عائد ہوتا ہے۔ پہلی چوری میں ایک ہاتھ اور دوسری چوری میں دوسرا ہاتھ۔ اور تیسری چوری پر اسے تعزیری سزا دینی چاہیے اور لوگوں کو اُس کے ضرر سے محفوظ کرنا چاہیے، یہاں تک کہ اُس کی اصلاح ہو جائے۔ اُن کی دلیل یہ ہے کہ قرآن میں ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے پاؤں کاٹنے کا حکم نہیں ہے۔ لہٰذا ہاتھوں کے علاوہ کسی اور عضو کو نہ کاٹا جائے۔

۴۔ عطاء کا مسلک یہ ہے کہ پہلی مرتبہ اگر کوئی چوری کرے تو اس کا ایک ہاتھ کاٹ دینا چاہیے۔ اس کے بعد اگر وہ پھر اعادہ کرتا ہے تو اس کا کوئی عضو نہ کاٹا جائے۔ چوری کی سزا صرف یہی ہے کہ ایک مرتبہ چور کا دایاں ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ بعد کی وارداتوں پر اسے قطع ید کی نہیں تعزیر کی سزا دی جائے۔ عطاء کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "فاقطعوا ایدیھما" اگر پاؤں بھی کاٹنا ہوتا تو اللہ تعالیٰ آیت میں اس کا ذکر فرماتا۔ اللہ تعالیٰ سے بھول کا تصور محال ہے۔

امام ابوحنیفہ دایاں ہاتھ اس شرط پر کاٹتے ہیں کہ بایاں ہاتھ تندرست ہو۔ اگر بایاں ہاتھ کٹا ہوا ہو یا مفلوج ہو، یا اس کا انگوٹھا یا دو انگلیاں کٹی ہوئی ہوں تو پھر دایاں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اس لیے کہ چوری کی سزا برائے توبیخ ہے۔ برائے ہلاکت نہیں ہے۔ نیز ان کا یہ بھی نظریہ ہے کہ اگر چور کا دایاں پاؤں کٹا ہوا ہو یا مفلوج ہو یا وہ دائیں پاؤں سے اپاہج ہو اور چل پھر نہ سکتا ہو تو اُس کا دایاں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اور نہ بایاں پاؤں کاٹا جائے گا خواہ وہ تندرست ہو۔ زیدیہ کا مذہب بھی امام ابوحنیفہ کے مطابق ہے۔

تمام فقہاء کا اس امر پر بھی اتفاق ہے کہ اگر سرقہ کے بعد کسی وجہ سے چور کا وہ عضو جو مستحق قطع ہو ضائع ہو گیا ہو خواہ کسی حادثے میں یا قصاص وغیرہ میں تو سرقہ کی سزا میں اُس پر قطع کا حکم ساقط ہو جائے گا۔

(باقی بر صفحہ ۱۴۲)

© rasailojaraid.com